

تحریک امام حسین میں مضمحل تین عظیم پہلو

<?xml encoding="UTF-8">

انقلابی تحریک،

معنویت اور مصائب تاریخ میں ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والی اس حسینی تحریک کو تین پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے اور ان تین پہلوؤں میں سے جو پہلو سب سے زیادہ جلوہ افروز ہے وہ عزت و سربلندی اور افتخار کا پہلو ہے۔

اس تحریک کا ایک اور پہلو طاقتور باطل اور حق کے درمیان جنگ ہے کہ جس میں امام حسین نے ایک انقلابی تحریک اور اصلاح کیلئے جدوجہد کی روش کواپنایا، اس تحریک کا ایک اور پہلو معنویت و اخلاق ہے۔ اس قیام و تحریک میں ایک ایسا مبارزہ اور جنگ وجود رکھتی ہے جو سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں، انقلابی اقدامات اور حق و باطل کے علی الاعلان برسرپیکار آنے کے علاوہ ہے اور وہ انسانوں کے نفس اور ان کے باطن کی جنگ ہے جہاں انسانی وجود کے اندر موجود کمزوریاں، مختلف قسم کی لالچیں، ذلت و پستی، شہوت پرستی اور خواہشات نفسانی کی پیروی اُسے بڑے اور اہم فیصلے کرنے اور بڑے قدم اٹھانے سے روکتی ہے۔ یہ ایک میدانِ جنگ ہے اور یہ ایسی جنگ ہے جو اپنی سختی و دشواری کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتی؛ جہاں اہل ایمان اور فداکار مرد و زن کی ایک مختصر سی جماعت سید الشہدا کے پیچھے چل پڑتی ہے تو وہاں ان کے احساسِ ذمہ داری کے سامنے دنیا و مافیہا، دنیوی لذتوں اور اُس کی زیبائی اور رنگینیوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی! یہ ایسے انسان ہیکہ جن کے باطن میں ان کی معنویت کہ جسے روایات میں جنود عقل (خدائی لشکر) سے تعبیر کیا گیا ہے، نے ان کے شیطانی لشکرویعنی جنود جہل (شیطانی لشکر) پر غلبہ پالیا ہے اور ان کا نام عظیم انسانوں کی حیثیت سے تاریخ میں سنہری حروف سے آج تک درج ہے۔ تیسرا پہلو کہ جو عوام میں زیادہ مشہور ہے، وہ مصائب اور غم و اندوہ کا پہلو ہے لیکن اس تیسرے پہلو میں بھی عزت و سربلندی اپنے عروج پر نظر آتی ہے لہذا اہل فکر و نظر کو ان تینوں پہلوؤں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

۱۔ انقلابی تحریک میں عزت و سربلندی کا عنصر

امام حسین کی تحریک و قیام کی پہلی جہت میں کہ جہاں امام نے ایک انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی، عزت و سربلندی موجزن ہے؛ سید الشہدا کے مدمقابل کون تھا؟ آپ کے مد مقابل ایسی ظالم و فاسق حکومت تھی کہ جو ”یَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللَّهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“، جو معاشرے میں گناہ و سرکشی سے حکومت کر رہی تھی۔ اُس معاشرے کی حالت یہ تھی کہ پورا معاشرہ اُس ظالم حکومت کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا اور جہاں بندگانِ خدا پر ظلم و ستم، غرور و تکبر اور خود خواہی اور خود پرستی کی بنیادوں پر حکومت کی جاتی تھی، لوگوں کے ایمان و معنویت اور ان کے انسانی حقوق کا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھا جاتا ہے، برسر اقتدار طبقہ نے اسلامی حکومت کو ظہور اسلام سے قبل دنیا میں موجود طاغوتی حکومتوں میں تبدیل کردیا تھا جبکہ ایک اسلامی نظام کی اہم

ترین خصوصیت، اُس کی ”عادلانہ حکومت“ ہے اور اُس تصوّراتی معاشرے (مدینہ فاضلہ) کے خدوخال کہ جسے اسلام شکل و صورت دینا چاہتا تھا، حکومت کے طرز عمل اور حاکم وقت کے رویے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُس زمانے کی بزرگ ہستیوں کے بقول، امامت کو ملوکیت و سلطنت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ امامت یعنی دین و دنیا کی رہبری و راہنمائی، یعنی اُس کارواں کی قیادت جو ایک خاص الخاص اور عظیم ہدف کیلئے حرکت کر رہا ہو کہ جہاں ایک فرد آگے آگے رہ کر کارواں میں شامل تمام افراد کی راہنمائی و قیادت کرے۔ اِس طرح کہ اگر کوئی راستہ گم کردے (یا کارواں سے پیچھے رہ جائے) تو وہ رہبر اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے دوبارہ قافلے سے ملا دے، اگر کوئی تھک کر راستے میں بیٹھ جائے تو بقیہ راستہ طے کرنے کیلئے اُس کی ہمت بندھائے، اگر کسی کا پاؤں زخمی ہو جائے تو اُس کی مرہم پٹی کرے اور قافلے میں شامل تمام افراد کی مادی اور معنوی مدد کرے۔ اِسے اسلامی اصطلاح میں ”امام“ یعنی امام ہدایت کہا جاتا ہے؛ جبکہ ملوکیت و سلطنت اِس مفہوم و معنی کے بالکل متضاد

ہے، سلطنت و ملوکیت یعنی میراث میں ملنے والی بادشاہت کہ جو سلطنت کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ دنیا میں ایسے بھی سلاطین ہیں کہ جن کے نام سلطان اور بادشاہ نہیں ہیں لیکن اُن کے باطن دوسروں پر تسلط و برتری اور ظلم و ستم کی رنگ و بو سے پُر ہیں۔ جو بھی تاریخ کے جس دور میں بھی جب اپنی قوم یا دوسری اقوام پر ظلم کرے گا، خواہ اُس کا نام کچھ بھی ہو، اُسے سلطنت و ملوکیت ہی کہا جائے گا۔ ایک ملک کا صدر کہ جس کی تمام حکومتیں مستبکراور ڈکٹیٹر رہی ہیں اور آج اُس کا واضح نمونہ امریکا ہے، اپنے آپ کو یہ حق دیتا ہے کہ کسی اخلاقی، علمی اور سیاسی حقوق کے بغیر اپنے اور اُس کی حمایت کرنے والی کمپنیوں کے منافع کو ملینوں انسانوں کے منافع پر ترجیح دے اور دنیا کی اقوام کے فیصلے خود کرے؛ یہ ہے سلطنت و ملوکیت اور آمریت، خواہ اِس کا نام بادشاہت ہو یا نہ ہو!

امام حسین سے بیعت کے مطالبے کی حقیقت!

حضرت امام حسین کے زمانے میں امامت کو اسی قسم کے نظام حکومت میں تبدیل کر دیا گیا تھا کہ ”يَعْمَلُ فِي عِبَادِ اللَّهِ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“؛ ظلم و ستم اور گناہ کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کی جارہی تھی اور حضرت امام حسین نے اِن بدترین حالات سے مقابلہ کیا۔ آپ کی جنگ مسلمانوں کو آگاہ کرنے، حقائق کو روشن و واضح کرنے، لوگوں کی ہدایت اور یزید یا اُس سے قبل کے زمانوں کے حق و باطل کی درمیانی حد کو مشخص کرنے کی جنگ تھی۔ فرق یہ ہے کہ جو کچھ یزید کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا وہ یہ تھا کہ وہ ظلم، فاسق اور گمراہ حاکم اِس موقع کے انتظار میں تھا کہ امام حسین جیسا ہدایت کا ہادی اور راہنما اُس کی حکومت کو قبول کر لے اور اُس کے کاموں پر اپنی رضایت و پسندیدگی کا اظہار کرے! جس بیعت کا امام حسین سے مطالبہ کیا گیا تھا وہ یہی تھی۔ یزید امام حسین سے اِس بات کا خواہاں تھا کہ وہ آپ کو مجبور کرے کہ آپ لوگوں کو ہدایت و راہنمائی کرنے کے بجائے اِس ظالم حکومت کی گمراہی و ضلالت کو لوگوں کیلئے جائز صورت میں بیان کریں کہ آؤ اور اِس ظالم حکومت کی تائید کرو اور اِس کے ہاتھ مضبوط بناؤ! امام حسین کا قیام اسی جگہ سے شروع ہوتا ہے۔ اگر یزیدی حکومت کی طرف سے اِس قسم کا بے جا اور بیہودہ و احمقانہ مطالبہ نہیں کیا جاتا تو اِس بات کا امکان تھا کہ سید الشہدا نے جس طرح معاویہ کے دور حکومت میں امامت کی ہدایت و راہنمائی کی اور جس انداز سے آپ کے بعد

آنے والے آئمہ رہنمائی فرماتے رہے، آپ بھی پرچم ہدیت کو اٹھاتے، لوگوں کی ہدایت کرتے اور حقائق کو اُن کیلئے بیان فرماتے۔ لیکن یزید نے اپنی جہالت و تکبر اور تمام فضائل اور معنویات سے دوری کی وجہ سے جلدی میں ایک قدم آگے بڑھایا اور امام حسین سے اس بات کی توقع کی کہ وہ اسلام کے بے مثال ”نظریہ امامت“ کے طاغوتی اور سلطنت و بادشاہت کی تبدیلی کے سیاہ قانون پر دستخط کر دیں یعنی اُس کے ہاتھوں پر بیعت کر لیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سید الشہدا فرماتے ہیں کہ ”مِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ“ ۱، ”میرا جیسا یزید جیسے کی ہرگز بیعت نہیں کر سکتا“، یعنی حسین کبھی ایسی بیعت نہیں کرے گا۔ امام حسین کو پرچم حق کے عنوان سے تاباں تک باقی رہنا ہے اور حق کا پرچم نہ تو باطل طاقتوں کیلئے استعمال ہو سکتا اور نہ ہی اُس کے رنگ میں رنگ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسین نے فرمایا ”هِيَهَاتَ مِنَّا الدَّلَّةُ“ ۲، ”ذلت ہم سے دور ہے“۔ امام حسین کی تحریک، عزت و سربلندی کی تحریک تھی یعنی عزتِ حق، عزتِ دین، عزتِ امامت اور رسول اللہ ﷺ کے دکھائے ہوئے راستے کی عزت! سید الشہدا چونکہ عزت کا مظہر کامل تھے لہذا آپ نے قیام فرمایا؛ یہ ہے حسینیٰ عزت و سربلندی!

ایک وقت کوئی شخص کوئی بات زبان سے ادا کرتا ہے اور اپنی بات کہہ کر اپنے مقصد کو بیان کرتا ہے لیکن ہدف کے

حصول تک اپنی بات پر قائم نہیں رہتا اور سخت حالات اور پریشانیوں کی وجہ سے عقب نشینی کر لیتا ہے تو ایسا شخص ہرگز باعث عزت و افتخار نہیں ہو سکتا۔ عزت و افتخار اُس انسان، جماعت یا قوم کیلئے سزاوار ہوتی ہے کہ جو اپنی زبان سے ادا کی گئی باتوں پر آخر وقت تک قائم رہتے ہیں اور اس بات کا موقع نہیں آئے دیتے کہ جو پرچم اُنہوں نے بلند کیا ہے طوفان کی توند و تیز ہوائیں اُسے گرا دیں۔ امام حسین اس پرچم ہدایت کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اس راہ میں اپنی اور اپنے عزیز ترین افراد کی شہادت اور اپنے اہل و عیال کی قید تک مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رکھے؛ یہ ہے انقلابی تحریک میں عزت و افتخار اور سربلندی کا معنی۔

۲۔ معنویت و فضیلت کا مجسم ہونا

معنویت کا عنصر بھی حضرت امام حسین کے قیام اور تحریک میں مجسم نظر آتا ہے؛ بہت سے افراد امام حسین کے پاس آتے ہیاور اُنہیں اُن کے قیام کی وجہ سے سرزنش کرتے ہیں۔ یہ افراد معمولی یا برے افراد نہایتے بلکہ بعض اسلام کی بزرگ ہستیوں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن یہ افراد غلط سمجھ بیٹھے تھے اور بشری کمزوریاں ان پر غالب آگئی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے چاہا کہ امام حسین کو بھی اُنہی بشری کمزوریوں کے سامنے مغلوب بنا دیں۔ سید الشہدا نے صبر کیا اور مغلوب نہیں ہوئے اور یوں امام حسین کے ساتھ شامل ایک ایک شخص اس معنوی اور اندرونی جنگ میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ماں کہ جس نے اپنی پوری خوشی اور سربلندی کے ساتھ اپنے نوجوان بیٹے کو میدان جنگ بھیجا یا وہ نوجوان کہ جس نے دنیاوی لذتوں کو خیر آباد کہہ کر خود کو میدان جنگ میں لہرائی جانے والی خون کی تشنہ تلواریں کے سامنے پیش کر دیا یا حبیب ابن مظاہر جیسے بزرگ افراد اور مسلم ابن عوسجہ جیسے لوگ جو اپنی ایام پیری کے راحت و آرام، نرم و گرم بستروں اور گھربار کو چھوڑ آئے اور میدان جنگ کی تمام سختیوں کو تحمل کیا۔ اسی طرح سپاہ دشمن میں ایک خاص مقام کے حامل شجاع ترین سردار یعنی حُر ابن یزید ریاحی نے اپنے مقام و منزلت سے صرف نظر کیا اور حسین ابن

علی سے جاملا، یہ سب افراد معنوی اور باطنی جنگ میں کامیاب ہوئے۔

اُس معنوی جنگ میں جو لوگ بھی کامیاب ہوئے اور عقل و جہالت کے لشکروں کی محاذ آرائی میں عقل کے لشکروں کو جہالت کے لشکروں پر غلبہ دینے میں کامیاب و کامران ہوئے، اُن کی تعداد بہت کم تھی لیکن اُن کی استقامت اور ثبات قدم اِس بات کا سبب بنے کہ تاریخ کے ہزاروں افراد اُن سے درس حاصل کریں اور اُن کی راہ پر قدم اٹھائیں۔ اگر یہ لوگ اپنے وجود میں فضیلتوں کو رذیلتوں پر غلبہ نہیں دیتے تو تاریخ میں فضیلتوں کا درخت خشک ہو جاتا ہے مگر اِن افراد نے اپنے خون سے اِس درخت فضیلت کی آبیاری کی ۔

آپ نے اپنے زمانے میں بہت سے افراد کو دیکھا ہے کہ جو رذائل و فضائل کی اِس جنگ میں کامیاب ہوئے ہیں اور اُنہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کو عقل اور صحیح دینی فکر سے کنٹرول کیا ہے۔ دنیا کے لوگوں نے آپ سے بہت سی باتیں سیکھی ہیں؛ یہ فلسطینی ماں جو اپنے بیٹے کے ماتھے کو چوم کر اُسے میدان جنگ میں بھیجتی ہے اِس کی ایک مثال ہے۔ اِسی فلسطین میسالوسے زن و مرد اور پیرو جوان سبھی موجود تھے لیکن اپنے ضُعف اور معنوی جنگ کی صف آرائی میں عقل کے لشکروں کے جہالت کے لشکروں پر غالب نہ آنے کی وجہ سے فلسطین ذلت و رسوائی کا شکار ہو گیا اور دشمن نے اُس پر غلبہ پالیا۔ لیکن آج یہی فلسطین ایک دوسری شکل میں موجود ہے، آج فلسطین نے قیام کر لیا ہے، آج فلسطینی عوام نے اپنے اندر معنوی جنگ کی صف آرائی میں معنوی لشکر و بکو غالب کر دیا ہے اور یہ قوم کامیاب اور سرفراز ہو گئی ہے۔

۳۔ مصائب کربلا میں عنصر

عزت کربلا کے تیسرے پہلو یعنی مصائب اور مشکلات میں بھی جابجا مقامات پر عزت و افتخار اور سربلندی کا عنصر نظر آتا ہے۔ اگرچہ کہ یہ مصائب کا میدان اور بابِ شہادت ہے، اگرچہ کہ جوانانِ بنی ہاشم میں سے ہر ایک کی شہادت، بچوں کی، اطفال صغیر کی اور بزرگ اور عمر رسیدہ اصحاب کی شہادت حضرت سید الشہدا کیلئے ایک بہت بڑے غم اور مصائب کا باعث ہے لیکن اِس کے خود اُن کیلئے اور مکتبِ تشیع کیلئے عزت و سربلندی کا باعث ہے۔ ۳

ہمارا وظیفہ: شہادت کی حقیقت و ذکر کو زندہ رکھنا

بنیادی طور پر اربعین (چہلم) کی اہمیت اِس بات میں ہے کہ اِس دن خداوند عالم کی تدبیر اور خاندانِ اہل بیت کی کوششوں سے امام حسین کی تحریک و قیام کا ذکر ہمیشہ کیلئے زندہ و جاوید ہو گیا اور روزِ اربعین اِس کام کی مضبوط و مستحکم بنیادیں رکھی گئیں۔ اگر شہدائ کے ورثا اور اصلی جانشین، حضرت امام حسین کی روزِ عاشورا شہادت اور دیگر واقعات کے ذکر اور اُن کی شہادت کے آثار و نتائج کی حفاظت کیلئے کمر بستہ نہ ہوتے تو آنے والی نسلیں شہادتِ عظمیٰ کے نتائج سے زیادہ استفادہ نہیں کر پاتیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ خداوند متعال اِس دنیا میں بھی شہدائ کو زندہ رکھتا ہے اور شہید تاریخ کے صفحات اور افراد

کے اذہان میں خودبخود زندہ رہتا ہے لیکن خداوند عالم نے اس واقعہ کیلئے دوسرے واقعات کی مانند عام نوعیت کے جن وسائل و امکانات کو قرار دیا ہے وہ یہی چیز ہے کہ جو ہمارے اختیار میں ہے اور ہمارے ارادے سے وابستہ ہے اور یہ ہم ہیں کہ جو اپنے صحیح فیصلوں سے شہدائ کے ذکر اور فلسفہ شہادت کا احیاء کرسکتے ہیں۔

اگر حضرت زینب کبریٰ * اور امام سجاد اپنی اسیری کے ایام میں خواہ کربلا میں عصر عاشورکا وقت ہو یا کوفہ و شام کی راہوں کی اسیری ہو یا پھر شام اور اُس کے بعد کربلا کی زیارت اور مدینہ روانگی اور اپنی حیات کے آخری لمحات تک کا زمانہ ہو، مقابلہ نہ کرتے اور اپنے بیانات اور خطبات کے ذریعہ باطل کے چہرے پر پڑی نقاب نہ الٹتے اور کربلا کے حقیقی فلسفے، امام حسین کے ہدف اور دشمن کے ظلم و ستم کو بیان نہ کرتے تو واقعہ کربلا آج زندہ نہ ہوتا۔

حضرت امام جعفر صادق نے یہ کیوں فرمایا کہ ”اگر کوئی واقعہ کربلا کے بارے میں ایک شعر کہے اور اُس شعر کے ذریعہ لوگوں کو زلّائے تو خداوند عالم اُس پر جنت کو واجب کردیتا ہے“! وجہ یہ ہے کہ دشمن کی تمام پروپیگنڈا مشینری واقعہ کربلا بالعموم اہل بیت کو مٹانے اور انہیں تاریکی میں رکھنے کیلئے کمر بستہ ہوگئی تھی تاکہ لوگ اس واقعہ کی رنگ و بو بھی نہ پاسکیں؛ یہ تھا اُن کا پروپیگنڈا۔ اُس زمانے میں بھی آج کی طرح ظالم و ستمگر طاقتیانیہ جھوٹے، مغرضانہ اور شیطنت آمیز پروپیگنڈے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتی تھیں۔ ایسی فضا اور ماحول میں کیا ممکن تھا کہ واقعہ کربلا جو اپنی تمام تر عظمت و سربلندی کے ساتھ دنیا ئے اسلام کے ایک گوشہ میں رونما ہوا تھا اس عظمت کے ساتھ باقی رہتا؟ اگر ان شخصیات کی محنت و جدوجہد اور ایثار و قربا نی نہ ہوتی تو یہ واقعہ تاریخ کے اوراق میں دفن ہو جاتا ۔

جس چیز نے اس ذکر کو زندہ رکھا ہے وہ سید الشہدا کے حقیقی وارث تھے۔ جس طرح امام حسین اور اُن کے اصحاب با وفا کا جہاد اور اُن کے مصائب سخت تھے، اُسی طرح حضرت زینب، حضرت امام سجاد اور بقیہ افراد کا جہاد اور اسیری کی صعوبتیں اور سختیاں برداشت کرنا بھی بہت دشوار و مشکل ترین کام تھا۔ فرق یہ ہے کہ امام حسین کی شہادت کے بعد میدانِ جنگ میں آنے والوں نے تلواروں اور نیزوں سے جنگ نہیں کی بلکہ تبلیغ اور (خطبات، اشعار، احساسات اور گریہ و اشک جیسے) ثقافتی ہتھیاروں سے دشمن کو زمین بوس کردیا۔ ہمیں اس اہم نکتہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

درسِ اربعین

اربعین (چہلم) کا درس یہ ہے کہ دشمن کے پروپیگنڈے کے طوفان کی تند و تیز ہواؤں میں ذکرِ شہادت اور اُس کی حقیقت و فلسفے کو زندہ رکھنا چاہیے۔ آپ توجہ کیجئے کہ انقلاب اسلامی کی ابتدا ئ سے لے کر آج تک انقلاب، امام خمینیؑ، اسلام اور ہماری قوم کے خلاف دشمن کا پروپیگنڈا کتنا زیادہ تھا، اگر دشمن کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں اہل حق کی تبلیغ نہ ہوتی اور نہ ہو تو دشمن پروپیگنڈے کے میدان میں غالب آجائے گا چنانچہ پروپیگنڈے اور تبلیغ کا میدان بہت عظیم، اہمیت والا اور خطرناک میدان ہے۔

یزید کے ظالم و جابر نظام حکومت نے اپنے پروپیگنڈے سے امام حسین کو شکست دینی چاہی اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ حسین ابن علی وہ شخص ہے کہ جس نے عدل و انصاف کے نظام، اسلامی حکومت کے

خلاف اور دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے قیام کیا ہے!! بعض افراد نے اِس جھوٹے پروپیگنڈے کو من و عن قبول بھی کر لیا اور جب سید الشہدا کو نہایت بے رحمی و بے دردی سے یزیدی جلادوں نے صحرائے کربلا میں شہید کیا تو آپ کی شہادت کو ایک عظیم غلبہ اور فتح قرار دینے لگے! لیکن نظام امامت کی اِس ”تبلیغ حق“ نے یزیدی حکومت کے مضبوطی سے بُنے ہوئے اِس جال کا ایک ایک تار کھول ڈالا اور اُس کی بساط الٹ دی اور حق اِسی طرح ہوتا ہے۔ ۲

۱ بحار الانوار جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۵

۲ بحار الانوار جلد ۴۵، صفحہ ۸۳

۳ ”دو کوہ“ فوجی تربیتی کیمپ میں عوامی اجتماع سے خطاب 29/3/2002

۴ حدیث ولایت، جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔ ۱۴۱